ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد☆

ڈاکٹر اسلم انصاری کے فارسی شعری کلیات "گلبانگِ آرزو" کا تعارفی مطالعہ

A Introductory study of Dr. Aslam Ansari's Persian poetry collection "Gulbang-i Arzoo"

Abstract:

Dr. Aslam Ansari was a multi-dimensional literary personality. Along with poetry in Urdu, Persian, English and Saraiki, he has also done insightful work of research and criticism. He has a very high standing among the experts of Iqbal. He has also been closely related to fiction."Gulbang-e-Arzoo" is a collection of Persian poetry by Dr. Aslam Ansari. It includes five of his fascinating and thought-provoking Masnavis, as well as a valuable Dewan. The great Persian poet Nizami wrote five Masnavis and introduced the tradition of "Khamsa" in literature and many great poets followed him and strengthened this tradition. Dr. Aslam Ansari was the bearer of this tradition in our era.Dr. Aslam Ansari's Persian poetry, like his Urdu poetry, is a masterpiece of thought and art and a treasure of knowledge and wisdom. He has written poetry in many genres, but his nature is particularly fond of Masnavi and Ghazal. After Allama Iqbal, there is no Persian poet like him in Pakistan. He has translated a large part of Allama Iqbal's Urdu works into Persian with great excellence. In this article, an introductory study of his Persian poetry collection "Gulbang-i Arzoo" is presented and his artistic skills are studied.

☆ایسوسی ایٹ پروفیسر / صدرِ شعبۂ اُردو، علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی اسلام آباد

Key Words: Aslam Ansari, Persian Poetry, Masnavi, Khamsa Tradition, Nizami, Allama Iqbal, Gulbang .i. Arzoo, Translation, Saraiki.

ڈاکٹر اسلم انصاری ہمارے عہد کے اُن تابندہ فکر اور روشن دماغ اصحابِ علم و فضل میں شامل ہیں، جن کی دانش و بینش نے علم و ادب و شعر کی مختلف زمینوں کو جذبے کی وارفتگی، احساس کی بوقلمونی، فکر کی تہ داری، خیال کی بیکرانی، علم کی کشادگی، فلسفے کی ہمہ رنگی، تہذیب کی جمال آفرینی اور فن کی کرشمہ کاری سے ثروت مند اور سیر اب و شاداب کیا ہے۔ نصف صدی سے زائد عرصے پر پھیلا ہوا اُن کا تخلیقی، تنقیدی، تحقیقی اور علمی سفر علم و ادب اور تہذیب کے ساتھ اُن کی غیر معمولی وابستگی کا اظہاریہ ہے۔ صلہ و ستائش کی تمنّا سے بے نیاز اور نمود و نمائش کے پُر شور ایوانوں سے دُور وہ حجرۂ تخلیق میں معتکف رہے اور اُن کی کارگاہِ فکر میں ہزاروں فروزاں ستارے ڈھلتے رہے، جن کی تاب ناکی سے بلاشبہ ہمارے علمی و شعری آفاق مستنیر اور منشعب ہوئے۔ انھوں نے اردو، فارسی، سرائیکی اور انگریزی زبانوں میں متعدد ایسی نگارشات پیش کی ہیں، جن کے وجود میں رچی جذب و احساس کی خوشبو دیر تک انفاس کو مہکاتی رہے گی اور یہ گلشنِ ہمیشہ بہار قلب و نگاہ کی دُنیا سے خراجِ توجّہ حاصل کرتا رہے گا۔

ڈاکٹر اسلم انصاری کی تخلیقی اور علمی کائنات کا سب سے روشن گوشہ اُن کا شعری ایوان ہے۔ اس شعری ایوان کی تعمیر و تشکیل میں فکر و خیال کا جو مسالہ صرف ہوا ہے وہ اجتماعی انسانی دانش اور تہذیبی ورثے سے اثر پذیر بھی ہے اور جذب و احساس کی مکاشفاتی تعبیر سے لذت گیر بھی۔ انھوں نے فارسی کے عرفانی ادبیات سے بقدر ذوق استفادہ کیا ہے اور مشرق و مغرب کے فلاسفہ و شعرا سے بھی مگر اپنی بے پناہ اختراعی اور ابداعی صلاحیتوں کے باعث وہ کہیں تقلید و اتباع کی چار دیواری میں مقید نہیں رہے بلکہ اپنے عہد کے تازہ سوالوں اور ہنگاموں کو اظہار و بیان کے نئے اور خوش نما رنگوں کے ساتھ شعری قالب میں عکس انداز کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ ان کا شعری ایوان نادیدہ دُنیاؤں کی سحر انگیز رومان پرور فضا کے خوش رنگ مناظر کا مرقع بھی ہے اور انسانی زندگی کی تہ در تہ پیچیدگیوں اور نو بہ نو مسائل سے نبرد آزما سماجی حالات کا آئینہ بھی۔ ان کے ہاں فرد کی داخلی دُنیا بھی کتاب کی صورت میں کھلی ہوئی ہے اور اس کے خارج کے ہنگامے بھی اپنے شور و شر کے ساتھ موجود ہیں تاہم ان کا تخلیقی سروکار محض فرد کے باطن و ظاہر تک محدود نہیں رہتا بلکہ وہ سماج اور پھر کائنات سے بھی اپنے رشتہ و تعلق استوار کر لیتے ہیں۔ فرد سے کائنات تک کے اس سفر میں اُن پر جہاں آگہی اور معرفت کے نئے جہانوں کے دروازے کھلتے ہیں وہاں انھیں حیرت کی پُر اسراریت کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے۔ اس تخلیقی فضا میں وجودی لذّت اور وجدانی کیف کہیں ایک دوسرے سے بغل گیر ہو کر نئے جہانِ معنی کی تشکیل کرتے ہیں اور کہیں ایک دوسرے سے اُلجھ کر اپنی راہ الگ کر لیتے ہیں۔ ان کے ٹکراؤ سے نئے سوال جنم لیتے ہیں، جو کہیں کہیں شاعر کے اظہاریے میں چمک اُٹھتے ہیں اور تخلیقی فضا کا سحر پہلے سے زیادہ جاذبِ نگاہ بن جاتا ہے۔ ڈاکٹر اسلم انصاری کی شعری کائنات کی تعمیر و تشکیل اور زیب و زینت میں یہ ہمہ رنگ تخلیقی فضا بہ تمام و کمال اپنا جلوہ دکھاتی ہے۔

ڈاکٹر اسلم انصاری کا تخلیقی سرمایہ اُردو اور فارسی میں ہے۔ اُنھوں نے شعر گوئی کا آغاز اگرچہ اُردو میں کیا مگر فارسی کے عرفانی ادبیات کی سحر انگیزی اور دل پذیری انھیں بہت جلد اپنی طرف متوجہ کرنے لگی اور یوں انھوں نے شعر گوئی کے ابتدائی زمانے ہی میں فارسی کو بھی وسیلۂ

اظہار بنالیا۔ دونوں زبانوں سے کامل آشنائی اور ان زبانوں کے ادبیات کے گہرے مطالعے نے ان کی تخلیقی دُنیا کا دائرہ وسیع کر دیا۔ دونوں زبانوں میں اُن کا شعری تخلیقی سرمایہ کمیت اور کیفیت ہر دو حوالوں سے لائقِ تحسین بھی ہے اور قابلِ مطالعہ بھی۔ اُردو کے جن شعری پیکروں میں انھوں نے اظہار کیا اُن میں غزل، نظم اور رباعی خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ جدید اُردو شاعری کی تعمیر و تشکیل بالخصوص جدید غزل کی سج دھج میں اُن کے فکر و فن کی انفرادیت اپنا واضح اظہار کرتی ہے اور اپنے معاصر شعرا میں وہ اپنے موضوعات کی ہمہ رنگی، تکنیک کی معجز نمائی، اسلوب کی تازگی اور اظہار کی ندرت کے باعث الگ کھڑے دکھائی دیتے ہیں۔ اُردو شاعری میں اُن کا تخلیقی وفور مناسب وقفوں کے ساتھ "خواب و آگہی"، "نقشِ عہدِ وصال کا" اور "شبِ عشق کا ستارا" کے قالبوں میں ڈھلا اور اپنے ظاہر و باطن کے حیات آفریں رنگوں کے باعث بازارِ ادب کی زینت ٹھہرا۔ ڈاکٹر اسلم انصاری کا جملہ اُردو شعری سرمایہ گذشتہ برس کلیات کی شکل میں یک جا ہوا جو چودہ سو صفحات پر مشتمل دو جلدوں میں ہے۔ اُردو کلیات کے دامن میں رنگ و آہنگ اور کیف و کم کی نادر تصویریں ایک جامع اظہاریے کی متقاضی ہیں، جس کا یہاں محل نہیں، کیوں کہ یہ مضمون اُن کے فارسی رشحاتِ فکر کے تعارفی مطالعے کے لیے مختص ہے۔

فارسی زبان و ادب کے ساتھ مسلمانانِ عالم بالخصوص مسلمانانِ برعظیم پاک و ہند کی ذہنی، قلبی اور جذباتی وابستگی اُس لازوال تہذیبی اور علمی سرمائے کی وجہ سے ہے، جسے: عطار، نظامی، سعدی، رومی، عرفی، جامی، حافظ، خسرو، فغانی، خیام، بیدل، غالب اور اقبال جیسے یگانۂ عصر اور نادرۂ روزگار سخن وروں کے معجز نگار قلم اور حیات آفریں فکر نے تخلیق کیا۔ مشرق کے ان نابغوں کے فکر و نظر نے پورے عالم کے ادبیات کی سمت و رفتار کو متعین اور مہمیز کیا۔ مغربی دُنیا آج جس علمی ورثے کی وارث اور جس تخلیقی سرمائے کی امین بن کر فخر و مباہات کا دامن اُڑا رہی ہے، اس کی تابانی میں مشرق کے ان روشن دماغوں کا شعلۂ فکر و نظر شامل ہے۔ اہلِ مغرب نے بزمِ عالم میں اپنا قدم جمانے کے بعد مسلمانوں کے علوم و فنون کو زائد المیعاد، فرسودہ اور کم حیثیت خیال کرنا شروع کر دیا اور یہ ڈھول اس شدت سے پیٹا گیا کہ خود اُمتِ مسلمہ اپنے اسلاف کے سرمایۂ فکر و نظر کو از کار رفتہ سمجھ کر اس سے منہ موڑنے لگی۔ اس چلن نے جہاں اسے اپنی شناخت سے محروم کیا وہیں اُسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے فکرِ مغرب کا خوشہ چین اور دریوزہ گر بنا دیا۔ اپنے گراں قیمت سرمائے سے محرومی نے اقوامِ عالم کی محفل میں مسلمانوں کو بے حیثیت اور کم مرتبہ بنا دیا ہے۔ اس متاعِ گم گشتہ کے احساس نے جن اصحابِ فکر و خیال کو ہمیشہ دل گرفتہ رکھا، ان میں حضرت علامہ محمد اقبال کا نامِ نامی سرفہرست دکھائی دیتا ہے۔ اقبال نے مسلمانانِ عالم کو مرعوبیت کی اس فضا سے نکالنے کا جتن کیا، جسے اُن کے بیش تر پیش رو صدقِ دل سے قبول کر چکے تھے۔ اقبال نے اہلِ مغرب کے چہرے سے ظاہری چمک دمک کا غازہ ہٹا کر اس کی اصلیت کو دیکھنے اور دکھانے کی جرأت کی۔ اُنھوں نے مسلمانوں کو اپنے بھرے پُرے شان دار ماضی سے جوڑنے اور اپنی تہذیبی قدروں سے آشنا کرنے کی سعی کی تاکہ وہ اسلامی فنون کے فروزاں اور تاب ناک مناظر سے ہم کلام ہو کر اقوامِ عالم کی محفل میں عزت سے جینے کے قابل ہو سکیں۔ اپنے کھوئے ہوئے ورثے کی بازیابی اور اپنے تہذیبی سرمائے سے وابستگی کی آرزو ڈاکٹر اسلم انصاری کو جادۂ اقبال کا مسافر بناتی ہے۔ انھوں نے اقبال کے تتبع میں مسلم ادبیات کو بہ نگاہِ عمیق دیکھنے اور اس کے اُن حیات بخش عناصر کو کھوجنے کا جتن کیا جن کے عرفان کے بغیر تہذیبی آگہی ممکن نہیں۔ ادبیاتِ اسلامیہ کا بیش تر وقیع، خیال افروز اور جمال آفریں سرمایہ چوں کہ فارسی میں ہے، اس لیے ڈاکٹر اسلم انصاری نے اپنے زمانۂ طالب علمی ہی میں فارسی زبان و ادب سے تعلق قائم کر لیا اور پھر اپنے جذب و شوق کے باعث اس کے دامنِ صد رنگ پر ایسے پھول کاڑھے، جو زیب و زینت اور دل پذیری کی نئی فضا خلق کرتے ہیں۔

"گلبانگِ آرزو" ڈاکٹر اسلم انصاری کی فارسی شعری نگارشات کا کلیات ہے، جس کا دامن کثیر الالوان اور متنوع شعری پیکروں سے سجا ہوا ہے۔ کلیات کا غالب حصہ اُن کی فکر انگیز مثنویوں پر مشتمل ہے۔ ان مثنویوں میں "چراغِ لالہ"، "نگارِ خاطر" "فرّخ نامہ"، "سروشِ عجم" اور "اقبال نامہ" کا موضوعاتی دائرہ اگرچہ الگ الگ حدود رکھتا ہے تاہم شاعر کی بنیادی فکر اور تہذیبی میلان ان سب مثنویوں کے قالب میں بنیادی توانائی کی حیثیت سے موج زن ہے۔ فارسی ادبیات میں نظامی گنجوی کے خمسے نے وہ دھوم مچائی کہ بعد کے کئی سخن وروں نے پانچ مثنویاں تخلیق کر کے خمسے کو باقاعدہ ایک ادبی روایت بنا دیا۔ امیر خسرو، خواجو کرمانی، فیضی اور کئی دوسرے خوش نوا شاعروں کے خمسے فارسی ادبیات میں معروف و مقبول ہیں۔ خوش آئند بات ہے کہ ہمارے عہد میں خمسے کی اس روایت کو ڈاکٹر اسلم انصاری نے زندہ رکھا۔ خمسۂ اسلم انصاری فکر و نظر کا شہکار اور اظہار و بیان کا عمدہ نمونہ ہے۔ موضوعات کہ ہمہ رنگی اور ہُنر کی خوش سلیقگی کے اشتراک و اتصال نے ان مثنویوں کو سحر حلال کے درجے تک پہنچا دیا ہے۔ فارسی ادبیات کے ان شہ پاروں کی قدر و قیمت کی تعیین مجھ ایسے ادبیات کے معمولی طالب علم کا منصب نہیں، یہاں محض اُن کا اجمالی تعارف مقصود ہے۔

"چراغِ لالہ" ڈاکٹر اسلم انصاری کی اولین مطبوعہ فارسی مثنوی ہے۔ یہ مثنوی اسلامی تہذیب و ثقافت اور فنونِ اسلامی کے ساتھ اُن کی فکری وابستگی کا اظہاریہ ہے۔ انھوں نے حضرت علامہ محمد اقبال کی طرح فنونِ اسلامی کا مطالعہ کر کے اُن کے حیات بخش عناصر اور انفراد و امتیاز کو نمایاں کرنے کی سعی کی ہے۔ علامہ اقبال کے نزدیک فنِ تعمیر کے علاوہ دوسرے اسلامی فنون ہنوز پوری طرح صورت پذیر نہیں ہوئے ہیں کہ الوہی خصوصیات کو جذب کرنے کی صلاحیت سے متصف ہو کر انسان کو لامتناہی فیضان عطا کر سکیں اور زمین پر نیابتِ الٰہیہ کے منصب کی بجا آوری کے لیے انھیں تیار کر سکیں۔ ڈاکٹر اسلم انصاری نے فنونِ اسلامیہ کے بحرِ بسیط کی غواصی کی اور اس نتیجے پر پہنچے کہ فنِ تعمیر کے علاوہ خطاطی، نقاشی اور سنگ تراشی جیسے فنون میں میں بھی مسلمانوں نے اپنی تہذیب کی مُہر ثبت کی ہے، جس کی وصّاف اور معترف اقوامِ عالم ہیں۔ ان کے خیال کے مطابق مسلمانوں کا ادب بھی ان کے تہذیبی معتقدات کا آئینہ ہے، جو اپنی الگ حیثیت رکھتا ہے:

> "اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اسلامی فنون میں خطاطی، مصوری اور نقاشی نے بھی اسلامی تصوراتِ حیات و جمال کو تخلیقی سطح پر ایسی معنویت عطا کی ہے، جس میں وہ پوری دُنیا میں منفرد ہیں۔ اسلامی معتقدات میں مصوری اور سنگ تراشی کو چنداں اہمیت نہیں دی گئی، اسی لیے جذبۂ تصویر کشی نے اسلامی تہذیب میں خطاطی، نقاشی اور سنگ تراشی کے رجحانات نے فنِ تعمیر کی صورت اختیار کر لی۔ مسلمانوں کا ادب بھی اپنے مطالب و اسالیب کے اعتبار سے دُنیائے ادب میں منفرد خصوصیات کا حامل تصور کیا گیا ہے۔ اس لیے ضرورت ہے کہ مسلمان خود بھی اور اقوامِ عالم بھی اسلامی فنونِ لطیفہ کی فنی، فکری اور انسانی قدر و قیمت کا جائزہ لیتے ہوئے انسانی تہذیب و تمدن کے لیے اس کی افادیت اور معنویت کا تعین کریں۔"(۱)

مثنوی "چراغِ لالہ" چار فصلوں اور سات سو تین ابیات پر مشتمل ہے۔ جن کی ترتیب و تہذیب میں شاعر کا رنگِ جمال و ہنر پوری طرح روشن ہے۔ شاعر نے اسلامی علوم و فنون کے حیات آفرین عناصر کی حقیقت و معنویت کو واضح کرنے کے ساتھ ساتھ عصرِ حاضر میں مروج و مستعمل مغربی فنون و ادب کے ضرر رساں اور مہلک پہلوؤں کو بھی آشکار کیا ہے۔ اسلامی ادبیات کے روشن منطقوں کی سیر کراتے کراتے وہ

فنونِ اسلامی کے خوش رنگ زاویوں اور جاذبِ نگاہ نقوش کے تناسب و توازن کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ان فنون کے ساتھ اُن کی غیر معمولی دل چسپی ظاہر ہوتی ہے۔ لاہور کی عالم گیری مسجد کی تعمیر میں تہذیبِ اسلامی کی جلوہ گری اور ملتان کی کاشی کاری میں نمود کرتی مسلم ثقافت کو انھوں نے جس فکری بصیرت اور فنی قرینے کے ساتھ لباسِ شعر میں ڈھالا ہے، قابلِ تحسین ہے۔ بیان کی لطافت اور اظہار کی دل کشی قدرتِ زبان کا ثمرہ ہے۔ فکر و فن کی اس جوئے رواں کا رنگ و آہنگ دیکھیے:

هُنرِ کاشی کاریِ ملتان
سایۂ سروِ گل به تابستان
کاشی کاران که نقشها بستند
به قفس طائرِ صدا بستند
از خطِ سبز ونیلگون و سپید
شد جهانِ خیال و نغمه پدید
چون که صورت به نقش یکجا شد
عالمی در هُنر هویدا شد
حسنِ تجرید را عیان کرد است
این هُنر نقش را بیان کرد است
گل چو پیرایۂ هُنر پوشید
صد چمن از سفالِ خشک دمید
رنگی آبی و نیلگون دارد
زین همه سادگی فسون دارد
نیلگونی چو نقش پیرا شد
حسنِ معماری وبنا ها شد
شاخ تا شاخ بی گمان چمن است
برگ در برگ صد جهان چمن است
نقشِ بهزاد اگر رسید اینجا
جامۂ کاغذی درید اینجا
رقصِ طاؤس، نقشِ حیرت شد
کلکِ مانی شکست وعبرت شد
عکسِ جنت چو بر زمین افتاد

نقشِ کاشی بہ سنگ وخشت نہاد(۲)

ڈاکٹر اسلم انصاری کی دوسری مطبوعہ مثنوی "نگارِ خاطر" ان کی فارسی زبان وادب سے غیر معمولی دل بستگی کا آئینہ ہے۔ یہ مثنوی اُن کے فارسی ادبیات کے گہرے مطالعے کا حاصل ہے۔ فارسی کے عظیم و جلیل شاعروں: رومی، سعدی، حافظ، نظامی، جامی، خسرو، طالب آملی، صائب، بیدل، غالب اور اقبال کی فکرِ روشن نے دورانِ مطالعہ ڈاکٹر اسلم انصاری کو جس طرح متاثر کیا، "نگارِ خاطر" میں انھی سخن وروں کی حکمت آفریں اور حیات بخش شاعری کی تحسین و تجلیل کی گئی ہے۔ خاص طور پر حضرت علامہ اقبال کے افکار کی ہمہ رنگی اور احساسات کی تازہ کاری کو شاعر نے نہایت صراحت اور عمدگی کے ساتھ مثنوی کے قالب میں ڈھالا ہے۔ فکرِ اقبال کے بعض تصورات کی تفہیم میں یہ مثنوی نئے زاویے سامنے لاتی ہے۔ اقبال کے تصورِ خودی کا دقتِ نظر سے مطالعہ کر کے ڈاکٹر اسلم انصاری نے خودی کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔ ان کے نزدیک خودیِ صادق عشق ووفا کے رنگوں سے روشن ہے، جس کی تعلیم فکرِ اقبال کا اساسی موضوع ہے، اس کے برعکس خودیِ کاذب جور وجفا پر اپنی بنیاد رکھتی ہے، جو شعورِ ذات سے بے خبری کی دلیل ہے:

انای صادق از عشق و وفایی است
انای کاذب از جو روجفایی است
اگرچہ سایہ مانندت خرامد
ولی با چہرۂ روشن نیامد
شباہت دارد و رویی ندارد
گلِ کاغذ بود ، بویی ندارد
اگرچہ سایہ گہ پیکر تراشد
بسانِ شخصِ خود ہرگز نباشد
ولیکن سایہ چون خود کار گردد
بساکان شخصِ سایہ خوار گردد
اگر سایہ فزون باشد ز پیکر
بہ پیکر زیستن باشد نہ خوشتر
اگر سایہ ز پیکر زندہ تر شد
جہانِ پیکری زیر و زبر شد(۳)

"نگارِ خاطر" میں اکابرِ ادبیاتِ فارسی کے افکار وخیالات کی تعبیر و تفہیم اور تحسین و تحلیل کے ساتھ ساتھ شاعر نے ادب و شعر کے ذاتی تجربات ومشاہدات کی روشنی میں اپنے زاویۂ فکر و نظر کو بھی پیش کیا ہے۔ اُن کا یہ زاویۂ نظر سخن ورانِ عالم سے اکتسابِ ضیا کے باوجود اپنا انفراد رکھتا ہے۔ شاعر کی اختراع پسند طبیعت نے مثنوی کے فنی سراپے میں نظمِ معرا کا تجربہ کر کے اس کے دامن کو کشادہ کیا ہے۔

ڈاکٹر اسلم انصاری کی مثنویات میں "فرّخ نامہ" اپنے مندرجات کی بوقلمونی، اسالیبِ بیان کی ہمہ رنگی، مناظر کی دل پذیری، واقعات کی دل کشی، کرداروں کی پیش کش اور متخیلہ کی بلند پروازی کے باعث ایک شہکار کے درجے پر فائز ہے۔ نادیدہ دُنیاؤں کو کھوجنے کی آرزو اور ان دیکھے منطقوں کی سیر وسیاحت کا شوق گِلِ آدم میں گندھا ہوا ہے۔ ہبوطِ آدم کے بعد اولادِ آدم کہیں کہیں نیابتِ الٰہی کے فریضے سے رخصت حاصل کر کے فردوسِ گم گشتہ کو اپنے خیالوں اور خوابوں میں سجاتی رہی ہے۔ آسمانی ہدایت کے صحیفے اُن کے ان خوابوں اور خیالوں کو مہمیز کرتے رہے ہیں، یہی وجہ ہے کہ دُنیا کی مختلف زبانوں کے ادبیات میں سیاحتِ علوی اور سیر آسمانی کی تمثالیں موجود ہیں۔ پیغمبرِ اعظم وآخر ﷺ کا سفر معراج صحیح معنوں میں سیاحتِ علوی کا نقشِ معتبر ہے، یہ سفر الاسفار ہے جس کی گواہی آخری آسمانی صحیفۂ ہدایت نے دی ہے۔ معراجِ رسول ﷺ کے زیرِ اثر اسلامی ادبیات میں سیاحتِ علوی نے ایک مستقل بالذات عنوان کی حیثیت حاصل کر لی اور اگلی کئی صدیوں تک متکلمین، عرفا، علما، حکما، صوفیہ اور شعرا کے ہاں سیر علوی کے مختلف مناظر نمود کرنے لگے۔ علما، فقہا اور متکلمین کے رسائل ومسائل میں برزخ، دوزخ اور بہشت کے مقامات اور احوال کا ذکر تواتر اور تسلسل کے ساتھ ہونے لگا۔ شیخ اکبر محی الدین ابنِ عربی کی "فتوحاتِ مکیہ"، ابوالعلا معرّی کا "رسالۃ الغفران"، ابن سینا کا رسالہ "الطیر"، حکیم سنائی کی "سیر العباد الی المعاد"، شیخ عطار کی "منطق الطیر"، عبدالکریم الجیلی کی "الانسان الکامل"، منصور حلاج کی "طواسین" اور شیخ محمد غوث گوالیاری شطاری کا "رسالۂ معراجیہ" اسی سلسلۃ الذہب کی مختلف کڑیاں ہیں۔ ان میں اہلِ حال ہی نہیں اہلِ قال بھی شامل ہیں اور ان کے سفر شوق کے مقاصد ومناظر "ہر گلے را رنگ وبوئے دیگر است" کے مصداق اپنی الگ شناخت اور تاثیر رکھتے ہیں۔ اسلامی ادبیات کے اس دل کش اور توجّہ طلب موضوع نے اقوامِ عالم کے ادبیات کو بھی متاثر کیا۔ اطالیہ کے شہرہ آفاق شاعر دانتے کا "طربیہ (Commedia)" جسے بعد میں "طربیۂ خداوندی (Divine Comedy)" کا نام دیا گیا، بھی اسلامی ادبیات کے اس مستقل موضوع سے خوشہ چینی کا نتیجہ ہے۔ اگرچہ دانتے نے خود کہیں اپنے اکتساب کا ذکر نہیں کیا، جس کے نتیجے میں پورے مغرب میں سیر علوی اور سیاحتِ روحانی کے تصور کا سہرا دانتے کے سر باندھا جاتا رہا۔ بیسویں صدی کی دوسری دہائی میں معروف ہسپانوی مستشرق اور محقق میگوئیل آسن پلاسیوس (Miguel Asin Palacios) جو میڈرڈ یونی ورسٹی میں عربی کے پروفیسر اور اسپین میں کیتھولک پادری تھے، نے اپنی تحقیقی کتاب La escatologia musalmana en la Divina Comedia (اسلام اور ڈیوائن کامیڈی) میں ثابت کیا کہ دانتے کا "طربیہ" واقعۂ معراجِ محمد ﷺ کی اسلامی روایات اور ادبیاتِ اسلامیہ کے کتب ورسائل جو سیاحتِ روحانی اور مشاہدۂ تجلیات کے حامل ہیں، سے پوری طرح مستفاد اور منشعب ہے۔ پروفیسر آسن کی اس کتاب نے اہلِ مغرب کو چونکا دیا اور ان کے اس خیال کو غلط ثابت کر دیا کہ سیر روحانی اور سیاحتِ علوی کے تصور کا مخترع وبنیاد گزار دانتے ہے۔

اس میں کچھ کلام نہیں کہ دانتے کی ڈیوائن کامیڈی فکر وفلسفے کا شہکار اور فن کا بہترین نمونہ ہے، جس نے بعد کے ادبیاتِ عالم پر گہرے اور دُور رس اثرات مرتب کیے۔ ڈیوائن کامیڈی یا طربیۂ خداوندی کے بعد سیر علوی وسیاحتِ آسمانی کا سب سے خوش رنگ اور فکر انگیز اظہار علامہ محمد اقبال کی "جاوید نامہ" کی صورت میں سامنے آیا۔ "جاوید نامہ" کو دانتے کی ڈیوائن کامیڈی کا جواب، شرح وتوضیح یا صدائے

بازگشت قرار دینا درست نہیں، کیوں کہ اقبال نے اپنی اس عظیم الشان تمثیل میں انسان کے ارتقا کے مسئلے کو چھیڑا ہے، ان کا مطمحِ نگاہ حیاتِ بعد الممات کی تشریح و توضیح اور جنت و دوزخ کے احوال کے مناظر دکھانا نہیں بلکہ ان کے ہاں حیاتِ ابدی موضوع ہے جو انسانِ کامل کے کمالِ روحانی کی معراج ہے۔ "جاوید نامہ" کے دامن کی ہمہ رنگی کے حوالے سے ڈاکٹر سیّد عبداللہ فرماتے ہیں:

> "جاوید نامہ میں مکالمہ بھی ہے اور بیانِ واقعات بھی، فضا بھی ہے اور صوت بھی، صدا بھی ہے اور ادا بھی، اشارت بھی ہے اور عبارت بھی۔ یہ ایک تمثیل ہے مگر مثالی دُنیا کی۔ یہ مثالی دُنیا کی روداد ہے مگر حقیقی دُنیا کے دامن سے وابستہ ہے۔ اس میں حقیقی شخصیتیں بھی ہیں اور افسانوی بھی، خیالی کردار بھی ہیں اور مثالی بھی۔ اس میں غزل کے پیوند بھی نظر آتے ہیں اور قطعہ بندی بھی ہے۔ غرض تخیّلی اور واقعاتی رنگ باہم شیر و شکر ہیں۔ اس میں حقائقِ فکری بھی ہیں اور جذباتِ قلبی بھی۔ اس میں وہ تاریخ بھی ہے جس کے نقوش ماضی کے اوراق میں ثبت ہیں اور وہ تاریخ بھی جس کی تصویریں شاعر کے وژن (Vision) میں ہیں۔ غرض ایک مرقع ہے جس میں فکر و خیال کا ہر رنگ پیوستہ اور باہم وابستہ ہے۔"(۴)

ادبیاتِ عالم میں سیر افلاک کی روایت سے ڈاکٹر اسلم انصاری کو ہمیشہ دل چسپی رہی ہے اور اس موضوع پر انھوں نے دادِ تحقیق بھی دی ہے۔ انھوں نے چودھری افضل حق کے نثری شہکار "زندگی" کا بھی فکری و فنی مطالعہ کیا ہے، جس کا تعلق سیر علوی اور سیاحتِ آسمانی کی روایت سے ہے اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ اسلم انصاری صاحب کو علامہ اقبال کے افکار و خیالات سے ایک نوع کی قلبی و ذوقی وابستگی ہے، جن کی "جاوید نامہ" کا موضوع بھی سیاحتِ آسمانی و سیر علوی ہے۔ ذوق و شوق کے یہ اظہارات یقینی طور پر "فرّخ نامہ" کی تحریک اور تشویق کا اہم سبب ہیں۔ تاہم شاعر نے اثر پذیری کے اس رنگ کو اپنے موضوع کی طرفگی اور اظہار و بیان کی معجزہ کاری کے باعث نہایت مدھم کر دیا ہے۔ یوں "فرّخ نامہ" ادبیاتِ عالم میں سیر علوی کی روایت سے بالعموم اور علامہ اقبال کے افکار و آثار سے بالخصوص مستنیر ہونے کے باوجود ایک قائم بالذات اور طبع زاد مثنوی ہے جو سیر علوی اور سیاحتِ خیالی کی نئی بوطیقا مرتب کرتی ہے۔

"فرّخ نامہ" کا بنیادی موضوع فلسفۂ اخلاق ہے۔ شاعر نے اسلام کے فلسفۂ اخلاق اور جزا و سزا کے آداب و قوانین کو ڈرامائی اور تمثیلی انداز و اسلوب میں اس خوب صورتی اور مہارت کے پیش کیا ہے کہ کہیں بھی تبلیغ و تلقین اور پند و موعظت کی ثقاہت اور خشکی اس پر سایہ فگن نہیں ہوتی۔ انھوں نے اپنے اظہاریے میں یہ واضح کر دیا کہ میری یہ تخلیقی کاوش کتابِ عقاید نہیں بلکہ حکایت اور افسانہ ہے، جسے میرے تخیل نے تراشا ہے۔ انھوں نے جنت، برزخ اور دوزخ کی مخصوص اور معروف اصطلاحات کے بجائے مقامات کے نام بھی اپنی اختراعی صلاحیت سے :"وادیِ ضلال"، "بزرخِ امثال" اور "فردوسِ جمال" وضع کیے ہیں، تاکہ دینی ادبیات سے کسی قسم کا التباس نہ ہو۔ شاعر کے بقول اس عظیم الشان شعری تمثیل کی اساس اس شعر پر اُٹھائی گئی ہے:

گندم از گندم بروید ، جَو ز جَو
از مکافاتِ عمل ، غافل مشو

"فرخ نامہ" کا آغاز عالمِ خواب سے ہوتا ہے۔ رہنورد (شاعر) عالمِ خواب میں ایک نہر کے کنارے محوِ خرام ہے، چلتے چلتے اچانک منظر بدل جاتا ہے اور یک لخت روشنی ماند پڑتی ہے اور ارد گرد اندھیرا پھیلنے لگتا ہے۔ رہنورد اپنے چار جانب مہیب جنگل دیکھ کر خوف زدہ ہو جاتا ہے۔ درندوں کی خوف ناک آوازیں اس کو لرزہ بر اندام کر دیتی ہیں۔ اس عالمِ یاس میں اس کی زبان سے مناجات کا نغمہ جاری ہو جاتا ہے۔ اچانک رہنورد کو ایک انسانی پیکر دکھائی دیتا ہے۔ وہ انسانی پیکر جب قریب آتا ہے تو رہنورد اسے پہچان لیتا ہے کہ یہ توزندہ رود (اقبال) ہے۔ رہنورد خوف وخطر کی فضا سے نکل آتا ہے اور زندہ رود کی عظمت بیان کرتا ہے اور اس کا استقبال کرتا ہے اور اس سے رہبری کی استدعا کرتا ہے۔ جواب میں زندہ رود اسے تسلی دیتا ہے اور اپنے ساتھ شریکِ سفر کر لیتا ہے۔ رہنورد اپنے ہادی و رہبر زندہ رود کی پیروی میں سیر معنوی کے لیے چل پڑتا ہے۔ رہنورد اور زندہ رود اس سفر میں "وادیِ ظلال"، "بزرخِ امثال" سے گزرتے ہیں اور بالآخر "بہشت جمال" کی سیاحت پر یہ سفر اپنے اختتام کو پہنچتا ہے۔

ڈاکٹر اسلم انصاری نے اس تمثیل کی تخلیق و تشکیل میں جس طباعی اور ہنروری کا ثبوت دیا ہے، وہ اپنی مثال آپ ہے۔ موضوع کی ہمہ گیریت جذب واحساس کے جن خوش رنگ پیرائیوں میں ڈھلی ہے، وہ قاری کو بصیرت کے نئے جہانوں کی نوید دیتے ہیں۔ سفر معنوی کی تین اہم منازل کے مقامات کی تشریح و تفصیل اور ان کے احوال و مناظر کا موثر اور جامع بیان شاعر کی خلاقیت اور گہرے لسانی شعور کا غماز ہے۔ ہر نوع اور ہر حالت کے اظہار کے لیے مناسب لفظیات کا چناؤ اور ہر کیفیت کے لیے مناسب ماحول کا اہتمام صحیح معنوں میں معجزۂ فن کی نمود ہے۔ مثالی کرداروں کی تشکیل اور حقیقی کرداروں کے تعارفیے شاعر کے وسعتِ مطالعہ کے گواہ ہیں۔ "وادیِ ظلال" کے مختلف مقامات: دشتِ زرد، خارستان، قلزمِ خونین، ساحلِ گرم ریگ، منطقہ ای آتشین، آتشِ سرخ گون، آتشِ نیلگون، آتشِ سپید اور آتشِ زمہریر کے نام ہی تخلیقی وفور کے آئینہ دار نہیں، ان کا احوال بھی شعریت کی کیف ناکی اور شاعر کے جمالیاتی احساس سے مملو ہے۔ مثال کے طور پر آتشِ سپید کا منظر دیکھیے:

در پس آن آتش دیگر دمید
شعلہ ہایش بس بلند و بس سپید
شعلہ ہا چو نور و اصلاً نورنی
صورت و کافوری و کافور نی
آتشِ سوزان تر و خون ریز تر
صد زبانہ ہاش تند وتیز تر
سوختند و استخوانشان ہم بسوخت
تندئ شعلہ روانشان ہم بسوخت
ہم دران آتش ہزاران مردمان
برلبِ شان نعرہ ہای 'الامان
مردی از ایشان چوسوی مابدید
از تہِ آتش بسوی ماجہید

زان سپس افتاد درقعرِ مغاک
پارہ پارہ ، ریزہ ریزہ ، چاک چاک
آتشی بگرفتش از ہر پہلواش
دست و پا و چشم و گوش و ابرواش
گفت ہادی:"این کس و آن دیگران
از گروہی زاہدان و ناصحان
بہر دنیا بودشان حرف و کلام
سیم و زر اندوختہ مردان خام
دیگران را پند و اندرز و رشاد
اندرون شان تیرہ از بغض و فساد
الحذر زین تیرہ بختان ، الحذر
الحذر زین حقہ بازان ، الحذر"(۵)

خمسۂ اسلم انصاری میں "سروشِ عجم" اور "اقبال نامہ" بھی شامل ہیں۔ یہ مثنویاں اگرچہ اپنا الگ موضوعاتی دائرہ رکھتی ہیں تاہم انھیں "نگارِ خاطر" کی معنوی توسیع کہنا شاید غلط نہ ہو گا کیوں کہ ان مثنویوں میں فارسی کے لافانی شعرا کی حیات آفرین فکر کو خراجِ عقیدت پیش کیا گیا ہے اور ان کی شعری کائنات میں فلسفۂ اخلاق اور فلسفۂ ہمت کی فکر انگیز تعلیمات کو نئے رنگ و آہنگ کے ساتھ عہدِ نو کے لیے بارِ دگر تخلیق کیا گیا ہے۔ "سروشِ عجم" میں جن شعرائے کبار کے خوانِ فکر سے خوشہ چینی کی گئی ہے، ان میں سعدی، فردوسی، ناصر خسرو، نظامی گنجوی، امیر خسرو، عرفی، صائب، بیدل اور غالب کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔ شاعر کے خیال میں عہدِ نو جن مسائل کا شکار اور جن مصائب سے دوچار ہے، ان کا حل انقلابِ معنوی کے بغیر ممکن نہیں اور انقلابِ معنوی کے راستے کا پتا انھی اسلاف کی تعلیمات سے ہاتھ آتا ہے۔ "اقبال نامہ" میں شاعر نے ملتِ اسلامیہ کے اس بطلِ جلیل کی عظمتِ فکر و نظر کو خراج پیش کیا ہے اور اپنے عہد کے گوناگوں سوالات اور مسائل کا حل فکرِ اقبال سے تلاش کرنے کی سعی کی ہے۔ اقبال کے افکار کی ترجمانی جس عمدہ طریق اور اسلوب سے کی گئی ہے، وہ شاعر کی فکرِ اقبال سے گہری شناسائی پر دال ہے۔

"گلبانگِ آرزو" کا دوسرا بڑا منطقہ غزل کی اقلیم میں شامل ہے۔ ڈاکٹر اسلم انصاری کی فارسی غزلیں سوز و گداز کی اُس لذت سے بھی ہم رشتہ ہیں جو اپنے جمالیاتی پھیلاؤ کے ساتھ حافظ، نظیری اور عُرفی کے ہاں جادو جگاتی ہے اور اُس عرفانی سرشاری سے بھی بغل گیر ہیں جو خسرو، رومی اور جامی کے ہاں رقص کناں ہے، غزل کے ان دو گہرے رنگوں کے ساتھ ساتھ اسلم انصاری کے ہاں فکر و فلسفہ کی وہ گیرائی اور عمق بھی موجود ہے جو بیدل، غالب اور اقبال کی غزلیات میں امتیازی حیثیت سے نمود کرتا ہے۔ ڈاکٹر اسلم انصاری کا اساتذۂ سلف سے یہ اکتساب اور چمن زارِ ادبیات فارسی سے یہ خوشہ چینی کسی تقلیدِ محض کا عنوان نہیں بنتی کیوں کہ ان کی اختراعی صلاحیت اور فنی وقوف اس استفادے کو اپنے جذب وشوق میں گوندھ کر نئے موسموں کی نوید بنا دینے پر قادر ہے۔ اُن کی غزل میں ان کا عہد اپنے تمام تر مسائل و معاملات کے ساتھ موجود

ہے۔ جدید حسیت اور احساس کے اظہار کا نیا قرینہ اپنے ساتھ نئی لغت ہی نہیں لاتا بلکہ اظہار کے وسیلے بھی نئے لاتا ہے۔ اسلم انصاری کی غزلیں استعارات واشارات کے نئے راستوں پر چلتی اور نئی تمثالوں سے اپنے دامن کو خوش رنگ بناتی ہیں، جو پڑھنے والوں کو اپنے اثر سے دُور نہیں جانے دیتا۔ اُن کی فارسی غزل کے تیور دیکھیے:

خوابِ دیرینۂ ما صورتِ زلفِ تو گرفت
از ھمین است کہ بی تاب و قرار آمدہ ایم

فرصتِ بادیہ پیمائی بمجنون خوش باد
آہ این فرصتِ اندوہ ، فراغی دگر است

بجز اشارتِ تو کام گار نتوان شد
ھزار بار زمانہ رہَ طلب بنمود

این شورِ ما و من ز سرِ کس نمی رود
ای آگھی ، ز نشۂ صہبای کیستی

حدیثِ شوق بہ اوّل ز ما شنیدہ کسان
عوض نکردہ یکی حرفِ ما بما گویند

من از صراحیِ ایام بادہ کم بکشم
مباد در پسِ امروز بارِ غم بکشم

در جستجوی ما کہ کند جستجوی خویش
این آرزوی کیست کہ ھست آرزوی ما

بیا بیا کہ کہ دگر عہد تازہ بر بندیم
دمید غنچہ و گل پیرھن درید بیا

دلم از گردشِ ایام ھمانا لرزد
اگر امروز چو فردا بنماید چہ عجب

گلبانگِ آرزو" میں شامل دیوانِ اسلم انصاری کامل کا ایک بڑا حصہ حضرت علامہ اقبال کے اُردو کلام کے منظوم فارسی تراجم پر مشتمل ہے۔ ترجمہ کارِ آساں نہیں بلکہ سچ مچ فکر و نظر اور ہُنر کی آزمائش ہے اور کانٹوں بھرے راستے سے گزرنے کا عمل۔ شعری ترجمہ کی مشکلات نثری ترجمے سے بھی زیادہ ہیں۔ شعری ترجمے میں حدود و قیود کی تنگنائے اور قدغنوں کے آہنی حصار میں متن کی حرمت اور شاعر کے اسلوب و انداز کو دوسری زبان کے قالب میں ڈھالنا جوکھم کا معاملہ ہے۔ ترجمہ محض دو زبانوں کے الفاظ کی تبدیلی کا نام نہیں بلکہ ایک زبان کے تاریخی، تہذیبی، فکری اور لسانی پس منظر کو جمالیاتی رنگوں اور شعری آداب کے ساتھ دوسری زبان میں ڈھالنے کا عمل ہے۔ کسی عظیم تخلیق کار کی متاعِ فکر و نظر کو تمام تر رنگوں کے ساتھ ترجمے کے قالب میں اُتار لانا کسی معجزے سے کم نہیں۔ علامہ اقبال کی شاعری فکر و فن کی جن بلندیوں کی امین ہے اور اُن کا اسلوب جس بلند آہنگی اور جلال و شکوہ سے عبارت ہے، کا منظوم ترجمہ کرنا بہت ہمت اور حوصلے کی بات ہے۔ ڈاکٹر اسلم انصاری، کلامِ اقبال کی ہمہ رنگی اور منظوم ترجمے کے ان مسائل اور دشواریوں سے بخوبی آگاہ ہوتے ہوئے بھی اس میدان میں اُترے اور لطف کی بات ہے کہ وہ بامراد ٹھہرے۔ حضرت علامہ اقبال کی فکر و نظر سے کامل آشنائی اور اُردو و فارسی زبانوں پر حاکمانہ قدرت کے باعث وہ اس مہم میں کامیاب و کامران ہوئے ہیں۔ ترجمے میں اصل متن کی ہیئت و معانی اور اسلوب و انداز کو جس خوبی کے ساتھ اُنھوں نے برقرار رکھا ہے، وہ انھیں مترجمینِ اقبال میں سربلند اور ممتاز کرتا ہے۔ اپنے ان تراجم کے حوالے سے وہ لکھتے ہیں:

> "شعر بہ شعر کلام اردوی علامہ اقبال را در سلکِ نظم فارسی کشیدم و از ہیئت اصلی شعر اردو چندان انحراف نکردم و حتی در بیشتر تراجم بہ ہیئت عروضی و آہنگ قوافی و ردیف را نیز پیروی کردم۔ تا اینکہ قریب بہ دو ہزار شعر را تا بحدِ امکان در نظمِ فارسی ترجمہ کردم (و چشم آفرین دارم!) بندہ ہر چہ کوشیدہ ام کہ ترجمہ یک گونہ شباہت بہ اصلِ اشعار پیدا کند کہ ہیئت و معانی و آہنگ اصلِ متن متصور شود۔ و آنہای کہ با شعر اقبالِ اردو آشنا نیستند، یک نوعی آشنائی با آن پیدا کنند۔" (۶)

ڈاکٹر اسلم انصاری نے بانگِ درا، بالِ جبریل اور ارمغانِ حجاز کی نوے سے زائد منظومات اور غزلیات کو فارسی نظم کے قالب میں ڈھالا ہے۔ ان میں اقبال کی بیش تر وہ نظمیں بھی شامل ہیں، جنھیں فکرِ اقبال میں اساسی اور بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ ان نظموں میں: ساقی نامہ، خضرِ راہ، ابلیس کی مجلسِ شوریٰ، حقیقتِ حسن، سرمایہ و محنت، زندگی، بڈھے بلوچ کی نصیحت، دنیائے اسلام اور الہام و آزادی شامل ہیں۔ یہ تراجم فکرِ اقبال کی مؤثر ترجمانی اور اسلوبِ اقبال کی عمدہ ترسیل کے کامیاب ترین نمونے ہیں۔ مترجم کے ذوقِ جمالِ شعری نے ان تراجم کو تخلیق کی شان

عطا کر دی ہے۔ اپنی اس بات کی توثیق و تائید میں "ابلیس کی مجلسِ شوریٰ" کا پہلا بند (ابلیس کا مکالمہ) پیش کرتا ہوں، جہاں ترجمہ تخلیق کا عکس نہیں بلکہ تخلیقی شان کے ساتھ جلوہ گر ہے:

این عناصر را کہن بازیچہ، این دنیای دون
آرزوی ساکنان عرش اعظم کردہ خون
کار سازش خواہد امروزش کہ خوش برہم زند
آنکہ خواندہ بود این را خود جہانِ کاف و نون
چشم افرنگی زمن خواب شہنشاہی گرفت
من شکستم مسجد و دیر و کلیسا را فسون
من بناداران بگویم، تن بہ تقدیر، ای گروہ
من بہ منعم دادہ ام سرمایہ داری چون جنون
کی توان خاموش کردن در پس افروختن
آتشی کانگیختہ ابلیس از سوز درون
آنکہ سیراب است از خون تمنّا ہای ما
کہ تواند کرد آن نخل کہن را سرنگون(۷)

"گلبانگِ آرزو" ارژنگِ فکر و نظر اور صحیفۂ دانش و حکمت ہے۔ اس کا دامنِ خوش رنگ جذب و احساس کے ان جواہر ریزوں سے معمور ہے، جن کی دل کشی اور جاذبیت ہمیشہ دل و نگاہ کی دُنیا کو اپنی طرف متوجّہ کرتی رہے گی اور اس کا نغمۂ شیریں تا دیر درِ گوش و ہوش پر دستک دیتا رہے گا۔ ان شاء اللہ

حوالہ جات:

(۱) "عرضِ مصنف" مشمولہ: گلبانگِ آرزو، (اسلام آباد: اکادمی ادبیاتِ پاکستان؛ ۲۰۲۴ء)، ص ۴۳۔
(۲) "چراغِ لالہ" مشمولہ: گلبانگِ آرزو، ص ۸۳۔
(۳) "نگارِ خاطر" مشمولہ: گلبانگِ آرزو؛، ص ۱۲۸۔
(۴) "پیش لفظ" مشمولہ جاوید نامہ (ترجمہ: رفیق خاور)، (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۷۶ء)، ص ف۔
(۵) "فرخنامہ" مشمولہ گلبانگِ آرزو، ص ۴۶۸۔
(۶) "دربارۂ این تراجم" مشمولہ: گلبانگِ آرزو، ص ۳۰۵۔
(۷) "مجلسِ شورای ابلیس" مشمولہ: گلبانگِ آرزو، ص ۳۸۱، ۸۲۔

ماخذات:

اسلم انصاری، ڈاکٹر، گلبانگِ آرزو، اسلام آباد: اکادمی ادبیاتِ پاکستان، ۲۰۲۴ء
اقبال، علامہ، ڈاکٹر، جاوید نامہ (ترجمہ: رفیق خاور)، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۷۶ء

References:

(1) "Writer's suggestion" including: Gulbang-e Arzoo, (Islamabad: Academy of Literature of Pakistan; 2024), p. 43.

(2) "Charagh-i-Lala" included: Gulbang-e-Arzoo, p. 83.

(3) "Nagar-e Khater" including: Gulbang-i Arzoo;, p. 128.

(4) "Foreword" including Javed Nama (Translation: Rafiq Khawar), (Lahore: Iqbal Akademi Pakistan, 1976), p.

(5) "Farukhnama" including Gulbang-i Arzoo, p. 468.

(6) "Durbara An-Tarjam" included: Gulbang-i Arzoo, p. 305.

(7) "Majlis-e-Shoora Iblis" included: Gulbang-e-Arzoo, pp. 82, 381.